اربابِ تعلیم کا نظریۂ تعلیم

(سرسید احمد خاں، شبلی، حالی اور نذیر احمد)

مقالہ نگار: ڈاکٹر ساجد علی قادری

صدر شعبۂ اُردو۔ایس۔پی۔ڈی۔ایم کالج، شیر پور ضلع دھولیہ (مہاراشٹر)

Abstract

This Paper mainly focuse on Arbab-e-Arba (Sir Sayyad Ahmed Khan's) Educational policiy. After 1857, revolued there were no complete guidelines of education in muslim community. Sir Sayyad Ahmed Khan and his fellows education theories and idiology are highlight in research aspects espacially Allama Shibli Nomani, Altaf Husain Hali , Deputy Nazeer Ahmed thoughts. They all have difference theories about education which makes development role in muslim community. Today all our world appriciate the significant role of Sir Sayyad Ahmed Khan to built up Aligarh Muslim University and their development.

Keywords :

Maasharati Tabdiliya, (Community Chages), Qayamat Khez Tabdiliya, Nabbaze Qaum, 1857 War, Social & Political Changes, Educational Policy, Modern Educations, Sir Sayyed Ahmad Khan, Allama Shiblee Nomani, Altaf Husain Haali, D. Nazir Ahmad.

بقول علامہ شبلی نعمانی

> "زمانے نے جو نیا بہروپ بھرا ہے اور جس موجودہ صورت میں وہ نیرنگیاں دکھلا رہا ہے وہ بالکل ایک اجنبی اور غیر مانوس تصویر ہے۔ اس نے جو بازو کھولا وہ بھی نئی پرواز کا ہے۔ جن چیزوں کو ہم متاعِ گراں بہا سمجھتے تھے وہ کوڑیوں کے مول نہیں بکتیں جس کو ہم متاعِ پیش پا اُفتادہ خیال کرتے تھے، اس کا دام چڑھتا جاتا ہے، ہمارے فضل و کمال کا دفتر ڈھونڈنے سے روپوں میں ملتا ہے۔"(۱)

علامہ کا یہ جملہ 1857 کے بعد تعلیمی پالیسی پر شدید تنقیدی نظر آتا ہے۔

خصوصاً علامہ کا یہ جملہ، ہمارے فضل و کمال کا دفتر ڈھونڈنے سے ردّیوں میں ملتا ہے۔ پہلی جنگِ آزادی کے بعد کی انقلابی تبدیلیوں کی مجھ بولتی تصویر ہے۔ جہاں سماجی، معاشرتی تبدیلیاں اس حد تک ہوئی کے ہر پرانا پیمانہ فرسودہ ہو گیا۔ رائج الوقت رسم، رواج مذہب، اقدار اور تعلیمی نظامِ فرسودہ قرار پائے۔ فضل و کمال کے وہ دفتر جس کی بنیاد پر ہندوستان کی ایک ہزار سالہ تاریخ سانس لے رہی تھی، وہ یکایک ناکارہ ہو گئے۔ چونکہ شبلی کو مشرقی علوم سے غیر معمولی لگاؤ اور بے انتہا عشق تھا۔ یہی سبب ہے کہ 1857 کے خونیں انقلاب کے بعد سیاسی سطح پر جو تبدیلیاں رونما ہوئیں تھیں، خصوصاً مشرقی علوم کو حاشیہ پر لانے کی

کوشش کی جارہی تھی۔ گویا ایک ہزار سالہ روشن تاریخ کے باب کو صندوق میں بند کیا جارہا تھا۔ لیکن سرسید احمد خان کا نظریۂ تعلیم رائج الوقت کی حمایت میں نظر آتا ہے۔ بقول سرسید احمد خاں:

"مشرقی زبان اور علوم کی جگہ مغربی زبان اور علوم رائج ہوئے، وہ بار آور درخت علمِ مشرقی اور مشرقی زبان کے جن کی پتنگ آسمان تک پہنچتی تھی اس طرح کملا کر زمین پر گر پڑے جیسے کوئی پودا پالے کے صدمے سے جھلس جائے۔"(۲)

دراصل 1857 کے بعد مسلم طبقہ سیاسی و سماجی طور پر خستہ حال ہو چکا تھا لیکن ماضی کی سنہری یادوں کو اپنی آنکھوں کے کینوس میں یوں سجائے رکھا تھا یعنی ہمارے حالات ایسے تھے جہاں مسلم حکمرانوں کا طوطی بولتا تھا۔ علم و کمال کے غلغلے تھے، جہاں زمانہ ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے زنامہ شناسی کے گر سیکھتا تھا، کہ اچانک خوابوں کا کینوس ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا۔ سیاسی و سماجی بساط اُلٹ کر رہ گئی اور مسلمان سماجی، تعلیمی، مذہبی اور سیاسی اعتبار سے جس سراسیمگی کا شکار ہوئے اور نفسیاتی طور پر مذہب، لامذہبیت، مشرقی علوم اور مغربی علوم، مشرقی تہذیب اور مغربی تہذیب کی زد پر آئے تو زمانہ کی روش سے دور ہونے کا خوف لاحق ہو گیا بقول شاعر:

دیکھو زمانہ چل گیا قیامت کی چال

یقیناً یہ قیامت خیز تبدیلیاں مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ ہر ہندوستانی کو یکسر زمانے کے طوفانی بہاؤ میں مانندِ خس و خاک بہا بہا دیتی، ایسے حالات میں کچھ مردِ مجاہد، نبّاضِ قوم و ملت اُٹھ کھڑے ہوئے اور زمانے کی نبض ٹٹولی، مرض کی تشخیص کی اور علاج تجویز ہی نہیں کیا بلکہ اپنی فہم و فراست، جہدِ مسلسل، علم و کمال اور اپنے خطاب و قلم سے ایک نسخہ، ایک لائحۂ عمل تیار کیا۔ ان میں سرفہرست سرسید احمد خاں ہیں، اور اُن کے معاصرین میں علامہ شبلی نعمانی، الطاف حسین حالی اور ڈپٹی نذیر احمد کے نام نمایاں ہیں۔

1857 کے خوں آشام حالات نے سرسید کو بے حد متاثر کیا، مسلمانوں کی سیاسی و سماجی تاراجی کے مناظر اُن کے سامنے تھے۔ جس سے وہ اور اُن کے خاندان کو بھی نبرد آزما ہونا پڑا تھا۔ اس وقت انگریز حکومت نے سرسید کو حکومت سے وفاداری کے صلہ میں جاگیر اور انعام سے نوازنا چاہا تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ:

"میرا ہندوستان میں رہنے کا نہیں ہے..... جو حال اِس وقت قوم کا ہے وہ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔"(۳)

ایسے پُر آشوب ماحول میں سرسید نے اپنی قوم کی ڈوبتی کشتی کا تجزیہ کیا تو ہر طرف مسلمان تاراجی، لاچاری، بے بسی، کسمپرسی اور تنزل کا شکار نظر آئے تو ایسے حالات میں سرسید کی حمیتِ قومی جاگ اُٹھی، اور سرسید نے اپنا ہجرت کا ارادہ منسوخ کر دیا۔ اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

"آپ یقین کیجئے کہ اس غم نے مجھے بوڑھا کر دیا اور میرے بال سفید کر دیئے، جب میں مراد آباد میں آیا جو ایک بڑا غم کدۂ بربادی ہماری قوم کے رئیسوں کا تھا تو اس غم کو کسی قدر تی ہوئی مگر اُس وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ نہایت نامرادی اور بے مروتی کی بات ہے کہ اپنی قوم کو اس تباہی کے حالات میں چھوڑ کر خود کسی گوشۂ عافیت میں جا بیٹھوں.... میں نے ارادۂ ہجرت موقوف کیا اور قومی ہمدردی کو پسند کیا۔"(۴)

اسی قومی ہمدردی نے حالات کے جبر پر سرسید اور اُس وقت کے بہی خوانِ قوم وملت کو حالات کے اس پُر آشوب موڑ پر اپنی قوم وملت کی تشکیلِ نو کی طرف متوجہ کیا۔ ماضی کی بنیادوں سے حال کی پائیدار ہم آہنگی اور مستقبل کی ایک مضبوط، مہذب، بدلتے زمانے سے ہم آہنگ قوم کی تشکیل کی طرف گامزن کیا۔ قوم کی پامالی، مستقبل کی بحالی کی فکر کی کوکھ سے اِن بہی خواہانِ قوم کے سامنے جو لائحہ عمل نے جنم لیا وہ صرف اوور صرف جدید تعلیم اور جدید ماخوذات تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سرسید اور اُن کے نظریات و تحریک سے وابستہ احباب جن میں شبلی، حالی اور نذیر احمد کے نام آتے ہیں۔ ان کے نظریۂ تعلیم کے حوالے سے مظہر حسین رقمطراز ہیں....

> "علی گڑھ تحریک سے کسی نہ کسی صورت وابستہ نذیر احمد، حالی اور شبلی جیسے بلند پایہ شاعروں اور ادیبوں نے بھی اپنے طور پر مسلمانوں کا تعلیمی منصوبہ پیش کیا۔ سرسید کی طرح اِن شاعروں اور ادیبوں میں ایک شئے جو مشترک نظر آتی ہے وہ ہے اُن کا یہ عقیدہ کہ مسلمان تعلیم کے میدان میں اور سماجی طور پر پسماندہ ہیں، مسلمانوں میں رائج روایتی نظامِ تعلیم بدلے ہوئے حالات میں فرسودہ ہو چکا ہے۔ اور وقت کی ضرورتوں کے مطابق نہیں ہے اس لیے مسلمانوں کو جدید علوم وفنون کی تعلیم دی جائے جو وقت اور حالات کے مطابق ہو کیونکہ مسلمانوں کو تعلیمی اور سماجی پسماندگی سے نکالنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔"(۵)

سرسید بدلتے حالات میں مسلمانوں میں رائج الوقت تعلیمی نظام اور نصاب کو بالکل فرسودہ گردانتے تھے۔ اسی لئے سرسید نے دانشورانِ علم وفن کو دعوت دی کہ موجودہ طریقۂ تعلیم اور نصابِ تعلیم پر غور وخوض کیا جائے اور ایسا تعلیمی نصاب اور تعلیمی نظام قائم کیا جائے جو زمانے کے تقاضہ کو پورا کرتا ہو۔ سرسید نے بجا طور پر کہا کہ جو تعلیم وقت کی ضرورت کے مطابق نہ ہو وہ بے فائدہ ہے۔ اُن کا ماننا تھا کہ موجودہ تعلیمی نظام زمانے کی ضرورتوں کے مطابق نہیں ہے۔ اسی لئے مسلمان مفلسی اور محتاجی کا شکار ہیں۔ علمِ دین کے متعلق سرسید کا نظریہ یہ تھا کہ اس کی اہمیت سے کسی بھی مسلمان کو انکار نہیں اور اس کی ضرورت ایسے وقت میں اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے جب کوئی غیر مذہب کا معتقد اس پر عالمانہ طرز پر حملہ کرتا ہے۔۔۔۔۔ لیکن آج یہ مسلمانوں میں جس انداز میں رائج ہے یہ دونوں محاذوں میں سے کسی ایک کی بھی عالمانہ تشفی نہیں کرتا۔ سرسید نے یہ ثابت کیا کہ اُس زمانے کا کوئی بھی علم وفن زمانۂ حال کے مطابق سود مند نہیں رہا۔ اس لئے سرسید نے اپنی تعلیمی منصوبہ بندی میں مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ تعصب کو چھوڑیں اور ایک ایسا تعلیمی نظام قائم کریں جو دین اور دنیا دونوں کے لئے سود مند ثابت ہو۔

سرسید کے معاصرین میں علامہ شبلی بدلتے حالات میں مسلم معاشرہ پر چھائی ہوئی پشمردگی، بدحالی اور معاشرتی زوال کے اسباب میں سب سے بڑا موجودہ تعلیمی نظام کو مانتے تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ مسلم معاشرہ کے تمام مسائل کا حل جدید علوم میں ہے۔ شبلی کہتے ہیں کہ:

> "قوم کو انگریزی میں اعلیٰ درجہ کے تعلیم کی نہایت ضرورت ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی ملکی، تمدنی واخلاقی غرض ہر ایک طرح کی ترقی انگریزی میں اعلیٰ تعلیم پر موقوف ہے۔"(۶)

اس کے باوجود شبلی جدید مغربی علوم کے ساتھ ساتھ مشرقی علوم کو فوقیت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلامی شعور اور علمِ دین کی اہمیت، ضروری مسائل اور تاریخِ اسلام کے شعور کا بقاء قائم رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اسی غرض سے

انھوں نے اسکول سے کالج تک کے مذہبی نصاب میں فقہ، عقائد اور تاریخِ اسلام کی ایک مختصر اور جامع ومانع سلسلۂ کتبِ دینیات کی ضرورت پر زور دیا۔

مولانا الطاف حسین حالی کا نام اُردو زبان وادب میں یقیناً ایک شاعر، ادیب اور نقاد کے حوالے سے مشہور ہے، لیکن سر سید کے معاصرین سر سید میں حالی کا نام و مقام سب سے منفرد ہے۔ سر سید کی فکر اور تحریک کی تقویت میں حالی کا اہم رول رہا ہے۔ حالی اپنے معاصرین کی طرح ہندوستان کے بدلتے حالات میں مسلمانوں کی بدحالی اور تنزل کے اسباب کے واضح نتائج اخذ کرتے ہیں۔ جدید تعلیم سے محروم انسان مہذب اور متمدن نہیں ہو سکتا، کیونکہ اُن کے نزدیک مسلم معاشرہ کے جتنے بھی مسائل تھے اُن کی وجہ یہ تھی کہ اُن کے اندر جدید تعلیم کی کمی تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ جدید تعلیم پر ہی ترقی کی بنیاد مضمر ہے۔ حالی، جدید تعلیم کو ذریعۂ معاش حاصل کرنے پر موقوف نہیں رکھتے تھے۔ اُن کا ماننا تھا کہ نوکری کے حصول کی تعلیم کا حاصل کرنا ایسا ہے جیسا اپنی نسلوں کو برطانوی حکومت کی غلامی کے لئے تیار کرنا۔۔۔۔۔۔۔ سر سید اور حالی کے حصول تعلیم کے مقاصد میں بنیادی فرق یہ ہے کہ سر سید علومِ جدیدہ کے حصول کے ذریعہ برطانوی حکومت کے نزدیک مسلم معاشرہ کی ایک صاف ستھری تصویر پیش کرنا چاہتے تھے اور اپنے اس مقصد کے لئے مغربی علوم کی بھرپور حمایت کی۔ جبکہ حالی سر سید کے اس موقف سے اختلاف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حالی مشرقی علوم کے دلدادہ تھے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مسلم معاشرہ کو مغربی علوم سے مبرّہ رکھنا چاہتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ طلبہ کو آزادانہ پیشہ اختیار کرنا چاہئے۔ یعنی انھوں نے جدید سائنسی تکنیک کو پیشہ وارانہ طور پر اپنانے کی پُرزور حمایت کی ہے۔ دراصل حالی نے غلامانہ ماحول میں مسلمانوں کو آزادی اور خود اعتمادی کا درس دیا ہے۔ چونکہ حالی مشرقی علوم کی اہمیت کو اُس دور میں سائنسی و تکنیکی علوم کے ساتھ ساتھ متعارف کروانا چاہتے تھے۔ یہی سبب ہے سر سید احمد خان کا نظریۂ تعلیم حالی سے مختلف ہے۔

اربابِ اربعہ کے نظریۂ تعلیم کی فہرست میں ڈپٹی نذیر احمد کا نام مخصوص و معتبر ہے۔ نذیر احمد نے زمانے کی بدلتی ہوئی روش کا بھانپ لیا تھا اور اپنے معاصرین کے نظریۂ تعلیم کی پُرزور تائید کی۔ قوم وملت کو زبوں حالی سے نجات دینے کے لئے کو اپنی تحریروں کے ذریعہ ایک نئی روح پھونک دی۔ تمام شعبۂ حیات جدید علوم کی اہمیت وافادیت کو ناول کے رنگ سے مزیّن کیا۔ اپنے قلم اور خیالات سے قوم وملت کو بدلتے زمانے سے آگاہ کیا اور زمانے کے تقاضے اور جدید علوم کی اہمیت سے واقف کرایا۔ وہ مسلمانوں کو جدید سائنسی علوم کے حصول کی ترغیب دیتے ہیں اور تعلیم کی اہمیت سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں:

"تعلیم سے محروم انسان دل کے اندھے ہیں، جن کی حالت آنکھوں کے اندھے سے زیادہ قابل رحم ہے۔"(۷)

نذیر احمد کے سامنے انگریزوں کی ترقی، ان کے ملک در ملک فتوحات، اُن کے تہذیبی و تمدنی عروج اور سائنسی ایجادات کا غلغلہ تھا، جبکہ مسلمان ان تمام محاذوں پر ناکام و ناکارہ اپنے فرسودہ نظریات، نظامِ تعلیم اور اخلاقیات کے لبادہ میں لپٹے ہوئے مٹی کا مادھو بنے رہ گئے۔ مسلمانوں کی اس فرسودہ خیالات و نظریات پر نذیر احمد نے شدید نکتہ چینی کی ہے۔ نذیر احمد مسلمانوں میں رائج الوقت علوم کو بدلتے ہوئے حالات میں معاشی اعتبار سے غیر مفید اور ترقی میں سدِ راہ مانتے تھے۔ نذیر احمد نے عربی زبان کی تحصیل کو نادانی قرار دیا۔ نذیر احمد چاہتے تھے کہ مسلمان جدید سائنسی علوم حاصل کریں کیونکہ بدلتے حالات میں ترقی کا ضامن اور کامیابی کی کلید یہی علوم

تھے۔نذیر احمد کو اس بات کا افسوس تھا کہ مسلمان سائنسی تعلیم سے کافی دور ہیں اور احمقانہ تعصب کی وجہ سے انگریزی تعلیم کی طرف توجہ نہیں دے سکے اور جدید انگریزی علوم کو اپنے دین و مذہب کے لئے نقصاندہ سمجھتے ہیں۔

الغرض ارباب اربعہ کے یہ تعلیمی نظریات جو کہ ماضی ہی نہیں حال و مستقبل کی قوموں کی شاہ کلید ہے۔کوئی قوم نہ ماضی میں علم کے بغیر کامیاب ہوئی، نہ ہی حال کا مشاہدہ ہے اور نہ مستقبل میں اس کی کوئی گنجائش ہے۔

موضوعِ مقالہ ہذا "ارباب اربعہ کے تعلیمی نظریات کی مشترکہ فکر کا ماخذ" یہ ہے کہ :

مسلمان تعلیمی و سماجی محاذ پر انتہائی پسماندگی کا شکار ہیں۔

لاچاری، کسمپرسی، بے بسی جو اس قوم کا مقدر ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کو ان نامساعد حالات میں ناپنے تشخص کی بقاء اور اپنے تابناک ماضی کے دور کو واپس لانا ہے تو انھیں تعصب سے باہر آکر جدید علوم و فنون، جدید تہذیب و تمدن اور بدلتے ہوئے حالات سے روشناہونا ضروری ہے۔

ارباب اربعہ کے تعلیمی نظریات کا گہرائی و گیرائی سے انفرادی مطالعہ کیا جائے تو یہ نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں کہ سر سید احمد خاں جہاں انگریزی علوم و فنون کو بدلتے حالات میں ضروری گردانتے ہیں وہیں روزمرہ کی ضروریات دینیہ و اخلاقیہ کے مطابق علم دین کی تعلیم کو بھی اشد ضروری سمجھتے ہیں۔علامہ شبلی نعمانی کا یہ واضح موقف نظر آتا ہے کہ بدلتے حالات میں جدید علوم کے ساتھ ساتھ ایک ایسا تعلیمی نظام قائم ہو جہاں اسکول و کالج میں مذہب کی تعلیم بھی اسی طرز پر دی جائے کہ ایک ہی وقت میں طلبہ جدید و مذہبی علوم سے مزین ہو جائے۔حالی نے مسلمانوں میں جدید علوم کے حصول کی حمایت میں خصوصاً پیشہ وارانہ تکنیکی تعلیم پر زور دیا ہے۔حالی کا کہنا تھا کہ تعلیم سے ہر ایک کو ملازمت حاصل نہیں ہو سکتی اور ملازمت انسان کو حکومت کا غلام بنا دیتی ہے اس لئے چاہئے کہ آزاد پیشہ وارانہ تکنیکی تعلیم حاصل کی جائے۔نذیر احمد جدید علوم کے حصول کی تبلیغ و ترویج میں اپنے معاصرین کے ہمنوا ضرور ہیں، اس کے باوجود سر سید و شبلی کی طرح مشرقی علوم و عربی علوم کو بدلتے ہوئے حالات میں ضروری نہیں سمجھتے بلکہ سائنسی علوم کو بڑی اہمیت دیتے ہوئے عربی کے بے کار سمجھتے ہیں۔

مختصراً سر سید اور اربابِ سر سید کی تحریک، فکر اور جہدِ مسلسل کی پھر سے موجودہ دور میں ضرورت ہے۔

Refrence Books

1) Tariqaye Taalim Musalmanane: Bahawala Alighar Taherik
2) Alighar Tahrik: Mazhar Husain
3) Maqalat-e-Sir Sayyad
4) Baqiyat-e- Shiblee
5) Maqalat-e-Shiblee
6) Sir Sayyad Aur unka Ahed
7) Sir Sayyad Number : Fareed Book depot.